معاصر فارسی ادب کے ۳ مرثیے

(قیصر امین پور، فریدون مشیری، حمید مصدق)

گروہ مؤلفین: پروین غلام حسینی
وحمید رضا قانونی
مترجم: مولانا سید محمد جعفر زیدی

خلاصہ

مرثیہ یا تعزیتی اشعار ادب کی وہ صنف ہے جسے شاعر، اقربا و احباب و بادشاہ، وزیر، قوم کے بزرگ افراد، علماء اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی شان میں کہتا ہے۔ مرثیہ میں مرنے والے کے فضائل و محاسن بیان کئے جاتے ہیں، اس کی شان و منزلت کی تکریم اور اسکے گزر جانے کا سانحہ نا قابل تلافی نقصان قرار دیا جاتا ہے۔ معاصر شاعروں کے مراثی بھی تلخ و ناگوار حادثات جیسے بیماری، قید، دینی رہنماؤں اور عزیز و اقرباء کی موت پر مختلف سماجی طبقہ چاہے وہ خواص ہوں یا عوام ان سے اظہار و ہمدردی جیسے احساسات و جذبات سے بھرے پڑے ہیں۔ سردست کلام میں وضاحتی و تجزیاتی طور پر مسلک نیمایی کے تین شاعر؛ قیصر امین پور، فریدون مشیری اور حمید مصدق کے اشعار نیز تعزیتی نظموں میں غمگین عناصر کا سرسری جائزہ اور مثالوں کے ذریعہ ان کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

ا۔ سرآغاز

لغت نامہ "دھخدا" میں مرثیہ کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے: "کسی مرنے والے کے غم میں رونا اور اسکے اوصاف و کمالات کو بیان کرنا، سوگواری، مرنے والے کی تعریف و تمجید، مرنے کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر کرنا اور اس کی تعریف کرنا، کسی کے غم میں نوحہ پڑھنا، مرنے والے کی خوبیوں کو بیان کرنا" (دھخدا: لفظ مرثیہ کے ذیل میں)۔ نئے عظیم انسائیکلوپیڈیا میں مرثیہ کے بارے میں یہ ملتا ہے: "مرثیہ اس شعر کو کہتے ہیں جو اقرباء احباب، بادشاہوں، وزیروں، قوم کے بزرگوں، عرفاء اور ائمہ پر پڑی مصیبتوں اور رنج و مصائب کی یاد میں پڑھا جاتا ہے۔ مرثیہ میں شاعر ماضی میں گزرے کسی شخص کے فضائل و مناقب اور اخلاق حمیدہ کا ذکر کرتا ہے اور اس کے مقام و منزلت اور بزرگی کا اظہار کرتا ہے اسکے فقدان کو نا قابل تلافی بتاتا ہے، اور دنیا کی بے وفائی و موت و حیات کا تذکرہ کرتا ہے اور پسماندگان و لواحقین کے لئے صبر و تحمل کی دعا کرتا ہے" [۲] (سعیدیان: لفظ مرثیہ کے ذیل میں)۔

لغت غفاری میں اس لفظ کی توضیح و تشریح میں ہم پڑھتے ہیں: "مرثیہ، نوحہ، مصیبت خوانی، مناجات، بازاروں اور عمومی مقامات پر دینی مسائل کو اشعار کی صورت میں عوام پسند آواز میں پیش کرنا"[۳] (غفاری، لفظ مرثیہ کے ذیل میں)۔ مرثیہ کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تعریفوں سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ارباب فہم و نظر اور ادبا کے نزدیک زیادہ تر اس لفظ کے معنی اور مفاہیم یکساں ہیں اور تمام اہل لغت ایک ہی طرح کا معنی اس لفظ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

لیکن غم و عزا کے دوران متوفی کے لئے مرثیہ کا پڑھنا قدیم زمانے سے تمام اقوام کے درمیان رائج تھا؛ اور بہت سے مشہور سوانح نگاروں جیسے "تذکرۃ الشعراء" کے مصنف دولت شاہ سمرقندی اور "لباب الالباب" کے مصنف عوفی کے بقول سب سے پہلا شعر جو پڑھا گیا وہ حضرت آدم کا مشہور مرثیہ اپنے بیٹے ہابیل کے غم میں تھا۔ قدیمی ایران میں مرثیہ کی قدمت کے حوالے سے ہمارے پاس کوئی دقیق اطلاع نہیں ہے لیکن قرائن و شواہد اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ ایران میں مرثیہ سرائی کی قدمت، اسلام سے پہلے کی ہے اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اسلام سے پہلے قدیمی ایران میں مرثیہ سرائی رائج تھی، "مرزکو" کا مرثیہ ہے۔ مرثیوں کے شناختہ شدہ نمونوں میں سے ایک نمونہ ہے۔[۴] (تفضلی، بی تا، ۵۷۷)۔

فارسی اشعار میں مرثیہ سرائی کو عربی مرثیہ سرائی سے متاثر مانا جاتا ہے۔ مشہور شاعر خنساء اور داعشی بادملہ عربی زبان کے مرثیہ نگار شاعروں میں سے ہیں۔ اسلامی دور میں بھی، زیادہ تر قدیمی اشعار جو ہمیں ملے ہیں ان میں بھی ہمیں مرثیوں کے اشعار دکھائی دیتے ہیں۔ علی الظاہر اسلامی دور سے متعلق قدیمی ترین مرثیہ جو موجود ہے وہ ویرانی سمرقند پر "ابوالینبغی" کا مرثیہ ہے۔[۵] (ابن خردابہ، ۲۶، ۱۳۵۱ شمسی)۔ تاریخ سیستان کے مولف سے منقول ہے کہ "فارسی دری میں قدیمی ترین مرثیہ محمد بن وصیف سیستانی، کا ہے دربار صفاریان کا شاعر جس نے حکومت صفاریان کے زوال میں یہ مرثیہ لکھا تھا۔[۶]" (بھار، ۱۲۶، ۱۳۴۲ شمسی) اسی طرح سے علی موسوی گرماوردی کی کتاب "چراغ صاعقہ" کے مقدمہ میں ملتا ہے: "ایران میں ادبی عزاداری کی تاریخ دیرینہ ہے۔ ان میں سے بعض بہت زیادہ مشہور یہ ہیں: شہید بلخی کے غم میں رودکی کا مرثیہ" (انسانی، ۱۳، ۱۳۸۲)۔ یا وہ مرثیہ جسے فرخی سیستانی نے سلطان محمود غزنوی کی موت پر لکھا تھا۔ شاہنامہ میں بھی کچھ عمدہ مرثیہ پائے جاتے ہیں جیسے "سیاوش کا مرثیہ، رستم کا سہراب کی بالین پر ماتم، سہراب کی ماں کا سوگ، اسی طرح اسفندیار کا ماتم و عزا اور کچھ اور بھی سوگ و عزا، جیسے فردوسی کی اپنے بیٹے کی موت پر سوگواری"۔ دقیقی کے گشتاسب نامہ اور فردوسی کے شاہنامہ میں ایسی مجلسوں کا تذکرہ ملتا ہے جہاں بہت سے پہلوانوں کی موت پر مرثیہ سرائی کی گئی اور انکا غم منایا گیا۔ سیاوش کے لیے سوگواری اور مغان کے گریہ و ماتم کی روایت کے مطابق شاہنامہ فردوسی اور گشتاسب نامہ دقیقی میں ایسے بہت سے موارد ملتے ہیں جہاں سردار یا پہلوان کی موت کے بعد، غمزدہ افراد خاص کر وہ جو انتقام کا جذبہ رکھتے ہیں انھوں نے مرنے والے کے لئے مرثیہ سرائی کی ہے۔ قوی احتمال کی بنیاد پر یہ مراثی در

اصل شاہنامہ میں نثر کی صورت میں تھے لیکن اس رزمی کہانی میں اسے نظم کی شکل دے دی گئی۔ اسکے علاوہ مسعود سعد سلمان کاایک نامور شاعر سید حسن غزنوی اور اپنے بیٹے رشید الدین کی موت پر لکھا گیا مشہور مرثیہ جس کا مطلع کا تھا"زار زار آنسو بہاؤ" بھی اس فہرست میں شامل ہے۔ے (گذشتہ حوالہ : ۱۴) اس طرح کے مراثی کا مذہبی و دینی اور فارسی شاعری کی تشکیل میں اہم کردار رہا ہے؛ کیونکہ ہمارے مذہبی اشعار کے ایک عظیم حصے کو یہی مرثیے تشکیل دیتے ہیں جو ائمہ اور دینی رہبروں کی شہادت پر لکھے گئے ہیں۔

پیش نظر مقالہ کا مقصد تین ہم عصر شاعر قیصر امین پور، فریدون مشیری اور حمید مصدق ،جو یکساں سماجی و ثقافتی حالات سے گزرے ہیں ان کے اشعار میں ماتم و عزاء کے مختلف مظاہروں (جیسے مرنے والے کی یاد میں ماتم و عزا، قرابتداروں، اور احباب کے لئے مرثیہ سرائی، انقلابی شخصیتوں، شہدا، بزرگان دین اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے غم میں سوگ و عزا میں پائی جانے والی مماثلت و اختلاف کا جائزہ لیا گیا ہے نیز موت کے سلسلے میں شاعروں کی فکر اور رائے پر بھی بحث کی گئی ہے۔

مرثیہ، سوگ و عزااور مرثیہ نگاری کے سلسلہ میں بہت سی تحقیقات انجام پاچکی ہیں ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

"شریف و محتشم کاشانی کے مرثیوں پر ایک تحقیق" (1389) مرثیہ نگار علی رضا محمد رضایی (رسالہ شہید باہنر یونیورسٹی کرمان)۔

"فارسی و عربی ادب میں مرثیہ سرائی" (بی تا) ناصر محسنی نیا (رسالہ ادبیات تقابلی)؛ "محتشم و شریف رضی کے دیوان میں امام حسین علیہ السلام کے مرثیہ کا تقابلی مقابلہ" (1388) شاعر یوسف لاطف (رسالہ ادبیات تقابلی)؛ "خاقانی کے مرثیوں میں ماتم کی نفسیات شناسی" (1392) شاعر عبد الرحیم ثابت (شہید باہنر یونیورسٹی کرمان) اور "ماتم و عزاء میں نفسیات شناسی کے مراحل" اسکے مصنف وصال میمندی ہیں اور سن 1391 شمسی میں عربی ادب رسالہ میں یہ تحریر شائع ہوئی۔

۲۔امین پور، مشیری، مصداق کے تعزیتی اشعار کے مضامین

لیکن دور حاضر میں کچھ اشعار "سوگ و تعزیت" کے مضمون پر ملتے ہیں جو شاعر اپنے کسی دوست یا دشمن کے فقدان میں کہتا ہے؛اس صورت میں فریضہ دوستی کی ادائیگی کے علاوہ دوسرے عوامل جیسے احساس ذمہ داری، شعر دوستی اور دوافراد کے درمیان رابطہ اور تعلق اس طرح کے اشعار کہنے کا سبب بنتے ہیں چونکہ اس میں مرثیہ کی دوسری نوع کے مقابلہ زیادہ احساس پایا جاتا ہے لہٰذا ادبی لحاظ سے اس کی اہمیت بھی زیادہ ہے؛ جیسے ایرج میرزا کی موت پر ملک الشعراء بہار کی تعزیتی نظم یا وہ نمونے جو جون اخوان ثالث، سپہری اور دیگر شعرا کے فراق میں کہے گئے۔ ادب کی اصطلاح میں "رثا" اس شعر کو کہا جاتا ہے جو گذشتہ لوگوں کے غم، احباب و لواحقین کی تعزیت اور بادشاہوں اور بزرگوں کی موت پر افسوس کے اظہار کے طور پر لکھا جاتا ہے نیز مذہبی بزرگوں، ائمہ

اظہار خاص کر حضرت سید الشہدا علیہ السلام اور دیگر شہدائے کربلا کے مصائب کا ذکر انکے فضائل و مناقب کا ذکر اور مرنے والے کے مقام و منزلت کی قدردانی، اس سانحہ اور مصیبت کو عظیم بتانا اور لواحقین کو صبر و تحمل کی دعوت دینا وغیرہ کے علاوہ معنی بھی رثاء کے معنی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ مرثیہ کے بنیادی ڈھانچے ہیں لیکن معاصر شعراء کے خزینہ کلام میں انقلاب کے بعد ایک خاص کیفیت نظر آتی ہے یوں تو شعرا کی تعداد زیادہ ہے مگر یہاں صرف تین ہی شعراء پر اکتفا کی گئی ہے۔[8] (محسنی نیا، بیتا ۱۷۶) لہٰذا تعزیتی نظموں اور سوگ کے اشعار کے مضامین لائق تحقیق ہیں۔ امین پور، مشیری اور مصدق کے مضامین مندرجہ ذیل ہیں:

۲ا۔ اقربا اور احباب کی یاد میں تعزیتی اشعار

ہم عصر شاعروں کا مرثیہ، احساس ہمدردی سے لبریز اور ناگوار و تلخ حادثات میں جیسے بیماری، قید خانہ، مذہبی بزرگوں کی شہادت و وفات اور عزیز و اقرباء کی موت پر سماج کے مختلف طبقوں سے ہمدلی سے سرشار ہوتا ہے۔ سوگ و ماتم میں شاعروں کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے اور لوگوں کے احساسات وظاہری و باطنی جذبات کو شاعرانہ مضامین اور تصویر، مذہبی اعتقادات، سماجی آداب و رسوم، عام لوگوں کے یقین و باور کی صورت میں پیش کریں۔ تعزیتی اشعار کا ایک غم انگیز و جذباتی چہرہ اقرباء کی موت پر رونا و آنسو بہانا ہے جو مصائب و ناگوار حادثہ میں لواحقین کی حسرت و حرماں کو بیان کرتا ہے۔ یہ عمومی و سماجی طریقہ ہمیشہ مصائب و آلام کے افتاد اور ماتم و نوحہ سرائی کے دوران تعزیتی محفلوں کا نمایاں حصہ رہا ہے۔[9] (زنگنہ، ۱۳۸۹، ۱۱۴)۔

مصدق اپنی کتاب "جدائیاں" میں اپنی بیوی لالہ خشکنابی کی موت پر ایک تعزیتی نظم لکھتے ہیں جس میں اسکی آنکھوں کو سورج اور اسکے ہاتھوں کو جلوہ رفاقت سے تعبیر کرتے ہیں:

"آفتاب صداقت کی طرح اسکی پاکیزہ نگاہوں، جلوہ رفاقت کی طرح اسکے سفید ہاتھوں اور اسکے نرم و نازک لبوں کو دیکھتا تھا/اور کبھی کبھی/اسکے روشن چہرے کو/ میری سگریٹ کا اوپر جاتا دھواں دھندلا کر دیتا تھا"[10] (مصدق، ۳۲۱، ۱۳۸۹)۔

آفتاب سے زیادہ مہربان
میرے سیاہ گیسو
میرے سکوت سے آزردہ خاطر ہو گئے
اور کچھ نہ کہا
اسکے نازک لبوں کی ادھوری مسکراہٹ کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئی
میرے نرم و گرم گلاب کو
خاموشی کی سرد ہوا نے ہراساں کر دیا ہے[11] (گذشتہ حوالہ، 322)

اسی طرح سے مشیری نے اپنی کتاب "ابر و کوچہ" میں "سرو" نامی نظم کو اپنے دو بھائی منصور و منوچہر کی موت پر

لکھی ہے:

دور کہیں صحرا میں
جہاں کانٹوں کے علاوہ کچھ نہیں اگتا
جہاں تیز و تند طوفان کے سوا کچھ نہیں ہوتا
جہاں موت کے سوا کچھ نہیں ملتا
جہاں کوئی ذی نفس حرکت نہیں کرتا
مٹی کے نیچے کوئی سو رہا ہے
نیلے پتھر کے نیچے
سیاہ مٹی کے سینے میں
دو آنکھیں چمک رہی ہیں
اس دنیا کی ناکامی نے
اسکے وجود کے افسانہ کو مختصر کر دیا ہے ۱۲ (مشیری، ۳۱۸، ۱۳۹۰)۔

مشیری اپنے شعری مجموعہ "آہ، باران" میں نظم "از دور دست خواب رہایی" کو اپنے والد کی یاد میں لکھا ہے اور طراوت و بلند قامتی میں انھیں سَرو (بلند قامت درخت) اور پہاڑ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

اپنے بلند و بالا قد کے ساتھ
اے سرو سرافراز!
آخر کیسے سو گئے
اس تنگ و تاریک قبر میں
اے الوند ۱۳ (ایک پہاڑ کا نام) کے بیٹے
اے الوند کے بیٹے
اے دربند ۱۴ (شمالی تہران میں ایک پہاڑ کا نام) کی ہواؤں کے بیٹے
آخر اپنے سینے پر کس طرح اٹھالیا
اس قبر کے پتھر کو؟؟؟ ۱۵ (گذشتہ حوالہ: ۸۸۳۔ ۸۸۴)

اسی طرح سے آپ اپنے شعری مجموعہ "ابر و کوچہ" میں "ناقوس نیلوفر" نامی نظم کو اپنے فرزند کی یاد میں لکھتے ہیں:

پڑوسی کا بچہ، چھت پر ہنستا مسکراتا
گل شقائق کی بیٹیاں، دشت میں ہنستی ہوئی
چھوٹے چکور پہاڑوں کی بلندی پر مسکراتے ہوئے

میرا بیٹا طشت میں خون کا ایک لوتھڑا
ہوا غموں کے عطر سے فضا کو معطر کرکے گذر گئی
پنچھیوں نے خون کی خوشبو پائی اور چلے گئے
آسمان و پہاڑ دشت و صحرا میں
ناموس نیلوفر کی چیخ گونج رہی ہے۔ ۱۶؎ (گذشتہ حوالہ : ۳۹۵)

وہ غم نگاری جو شاعروں نے اپنے دوست واحباب کی یاد میں لکھی ہے اسکی خاص اہمیت ہے۔ کیونکہ اسکی ذاتی خاصیت کے علاوہ، اس میں احساسات وانفرادیت ہونے کی وجہ سے وہ بناوٹی وفرضی جذبات سے دور ہیں اور صرف مرنے والے سے شاعر کے دوستانہ تعلقات کو بیان کررہی ہے۔
تعزیتی نظمیں جو ہم عصر شاعروں نے دیگر شعرا کی موت پر کہی ہیں وہ تعزیتی نظموں کے قدیمی نمونوں اور ذاتی وخاندانی مرثیوں میں سے ہے اور چونکہ ان مرثیوں میں احساس وجذبات کا رنگ گہرا ہوتا ہے لہٰذا ادبی لحاظ سے بھی انکا خاص مقام ہے۔ اس طرح کے مرثیوں کی سب سے قدیم مثال ہمیں رودکی کے دیوان میں دیکھنے کو ملتی ہیں جو آپ نے مرادی نامی شاعر کی موت پر کہا تھا۔ یا شہید بلخی کا لکھا گیا مرثیہ۔ اسی طرح سے معزی کی موت پر سنایی کا مرثیہ، سید حسن غزنوی کی موت پر مسعود سعد کا مرثیہ اور خاقانی کے غم میں نظامی کا مرثیہ بھی اسی صنف میں شامل ہے۔ ۱۷؎ (رستگار فسایی، ۲۱۴، ۲۷۷ ۱۳، پندری سے منقول، ۷، ۱۳۸۹)۔

اس طرح کی غم انگیزی اور تعزیتی نظموں کی مثال ہمیں کلاسیکل شاعری سے وراثت میں ملی ہے۔ اگر ان تعزیتی نظموں کے عناصر پر غور کیا جائے تو ان میں ایک عنصر جو زیادہ دیکھنے کو ملتا ہے وہ عنصرِ حسرت ہے۔ کبھی یہ حسرت کسی فاضل وتوانا سخنور اور زبردست ہم عصر شاعر کے مرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مصدق اپنی کتاب "شیر سرخ" میں ایک نظم "ابَرَ رِند آفاق" کو مہدی اخوان ثالث کی موت پر کہتے ہیں جنکی موت سے "مشرق میں شعر وشاعری کا شیرازہ بکھر گیا"۔ اس نظم میں مصدق انکی بیوی، ایران (اخوان ثالث کی بیوی کا نام) اور بیٹے توس، زرتشت، مزدک اور لولی کے سوگ وعزا میں بیٹھنے کی منظر کشی کرتے ہیں۔ مصدق کا ماننا ہے کہ اخوان ثالث کی موت سے انکا بیٹا لولی گل نرگس کی طرح اندوہگین وعزادار ہے۔:

تیرے غم میں فلک ماتم کررہی ہے
عقل دوزانو ہوکر غم منارہی ہے
مشرق میں شعر وشاعری کا شیرازہ بکھر گیا ہے
غم کی شدت سے قلم کی قامت بھی خمیدہ ہوگئی ہے
تیری جدائی میں ادب بھی عزادار ہے

تیرے غم میں ہنر ماتم منا رہا ہے
ہائے ہائے موت کے فرشتے نے
اچانک شعر و سخن کی امید کو چھین لیا
اسکے سوگ میں ایران بیٹھی ہے
آسماں کے اس ظلم سے توس کا دل زخمی ہے
اسکے غم میں لولی نرگس کے پھول کے مانند ہو گئی ہے
شبنم کی طرح اسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ ۱۸ (مصدق، ۶۳۶۔ ۶۳۸، ۱۳۸۹)۔

اسی طرح سے مصدق اپنے شعری مجموعہ "سال ھای صبوری" (صبر و بردباری کے سال) میں ایک نظم "از این جا تا مصیبت" (یہاں سے مصائب تک)، مہدی اخوان ثالث کی موت پر لکھتے ہیں۔ اس میں آپ اس زمانہ کے سخت و دشوار حالات اور ان پابندیوں کا ذکر کرتے ہیں جنکی وجہ سے کسی بھی طرح کی شاعری کرنا سخت و مشکل تھا۔ مصدق کا ماننا تھا کہ پست فکر افراد کے درمیان اخوان ثالث کا وجود کنول کے اس پھول کی مانند ہے جو کیچڑ میں کھلا ہو۔

اے میرے پھول تجھ سے کچھ اپنا درد دل بیان کرنا چاہتا ہوں
اے میرے پھول لیکن اس زمانے اور اسکی پتھر بازیوں سے خوف لگتا ہے
ورنہ میں تیرے لئے خالص اشعار کو پڑھوں
یہاں اب گل سنبل کی باتوں کو سننے کا زمانہ رخصت ہو چکا ہے
یہاں دوستوں نے آستین میں سانپ چھپا رکھے ہیں
ہر بات کانٹوں سے بھری ہے
اے میرے پھول مجھے تجھ پر تعجب ہوتا ہے
اور تعجب بھی کیوں نہ ہو تو اتنا پاک و پاکیزہ جو تھا
کنول کا پھول کیچڑ میں ہی کھلتا ہے
اب یہاں سے مصائب تک کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے
اب یہاں سے مصائب تک ہر ایک سنگریزے
جدائی کا تلخ قصہ سنا رہے ہیں
ہر سو عشق و رفاقت کا جنازہ پڑا ہے
پھر سے مہربانی و الفت کو عام کرنا سخت دشوار ہے
صحرا بہ صحرا صرف درد ہی درد ہے
مجھ میں اب صبر کا یارا نہیں ہے

میرے پھول! میں تیرے ساتھ ہوں۱۹
میری مضبوط پشت پناہ رہو
میری اندھیری راتوں کو روشنائی بخشو
میرے پھول، میرے لئے تم نور کا سمندر بن جاو۔۲۰ (گذشتہ حوالہ: ۴۲۷۔۴۲۹)

مصدق اپنے شعری مجموعہ "سرخ شیر" میں "تا بارگاہ قدس خرد، بارگاہ توس" یعنی (عقل کی مقدس بارگاہ، بارگاہ توس) نامی ایک قصیدہ میں فردوسی کو سیمرغ سے تشبیہ دیتے ہیں جو فنا ناپذیر ہے:

مشرق
مشرق کی سرحدوں سے
قدم بوسی کے عزم وارادے سے
فردوسی کے روشن مزار کی جانب
دلیروں کی یاد کو زندہ کرنے والا
ملک ایران کا محافظ
وہ کہ جو سیمرغ کے مانند ہے
میں جاوں گا
توس تک میں جاوں گا۔۲۱ (گذشتہ حوالہ: ۶۹۶)

فریدون مشیری بھی اپنی کتاب "لحظہ ھا واحساس" (لمحہ اور احساس) میں "روح چمن" کے نام سے ایک نظم سہراب سپہری کی موت پر لکھتے ہیں اور سہراب کو اس پرندے سے تشبیہ دیتے ہیں جو اپنے ہلکے اور لطیف پر ہونے کی وجہ سے خدا کی جانب پرواز کر گیا:

اے ہمدم کیا پوچھ رہے ہو کہ سہراب کہاں گیا؟
سہراب
آسمانی ہو گیا
اور اچانک خدا سے جاملا
چونکہ پروانہ کی طرح اسکے بال وپر نازک وسبک بار ہو گئے تھے
وہ آیا
چکر لگایا

میٹھی میٹھی باتیں کی
اور ہوا کی طرح چلا گیا۔ ۲۲ (مشیری، ۱۲۱۹۔ ۱۳۹۰، ۱۲۲۰)۔

2م2۔انقلابی شخصیتیں اور شہداء

لغت میں شہید، گواہی دینا اور آگاہ کرنے کے معنی میں ہے اور قرآن و حدیث میں لغوی معنی کے ساتھ ساتھ راہ خدا میں قتل ہونے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ شہادت کی تعریف میں جو چیز قابل اہمیت ہے وہ آگہی کے ساتھ اختیاری طور پر شہید ہونا ہے: "اسلام میں شہادت یعنی شعور و آگہی کے ساتھ مقدس مقصد کی راہ میں قتل کیا جانا ایک مسلم اصول کی صورت میں ہے جسکا نام جہاد ہے" (مطہری، ۷۳، 1376 پور الخاص سے منقول، ۱۰، 1392) ۲۳ عزیز و اقرباء کے فراق میں انقلابی شعراء کے ماتمی اشعار میں احساس و عاطفہ کا رنگ قدیمی ترین جذباتی تجربیات میں سے ہے۔ وہ اشعار جنھیں مرثیہ کی شکل میں لکھا گیا ہے، چونکہ عام طور پر اس میں احساس و عواطف کا رنگ گہرا ہوتا ہے، ایسے اشعار ادب کے بہترین و مشہور ترین شاہکار مانے جاتے ہیں؛ بعض نقادوں کی نظر میں ماتمی اشعار میں حسرت کا احساس غالب ہوتا ہے ۲۴ (جلالی پندری ۱۷، 1389)۔ لیکن چونکہ انقلاب کے دوران ساری موتیں قدرتی نہیں ہوئی ہیں اس لئے دوسرے احساسات جیسے غم، اعتراض، غصہ و جوش بھی ان اشعار میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ تقریبا ہم عصر شعراء کے آدھے سے زیادہ ماتمی اشعار اور مرثیہ انقلابی شخصیتوں اور شہدا کے بارے میں ہیں۔

امین پور کے شعروں میں شہید و شہادت کا مضمون نہایت خوبصورت و دلکش انداز میں بیان ہوا ہے۔ اپنے اشعار میں امین پور شہدا کی جو تصویر کھینچتے ہیں اسکی جڑیں انکے مذہبی اعتقادات اور شہید کے آفاقی درجات میں ملتی ہیں۔ امین پور کے شعروں میں جو ایثار و شہادت کے مضامین پائے جاتے ہیں ان میں سے زیادہ تر اشعار وہ ہیں جو ایران و عراق کے درمیان جنگ کے زمانہ میں لکھے گئے۔ شہیدوں کے غم میں لکھی گئی تعزیتی نظمیں شجاعت کے مضامین سے لبریز ہیں جن میں انکی شجاعت کی مثالوں کے علاوہ خود کے لئے شجاعت کی آرزو کا اظہار کیا گیا ہے۔ قیصر امین پور کے شعروں کا نمایاں پہلو شہادت اور آرزوئے شہادت ہے جنھوں نے انکے اشعار کو سرخ و مقدس روح عطا کی ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 169 "ولاتَحْسَبَنَّ الَّذينَ قُتِلوا في سَبيلِ اللهِ اَمواتاً بَل اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرزَقُون" سے سبق لیتے ہوئے شاعر شہیدوں کو مرا ہوا نہیں جانتا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پا رہے ہیں۔:

کوئی اس کی زندگی کے راز و نیاز سے باخبر نہیں ہے
بہتر یہی ہے کہ زبان ساکت و خاموش کھڑی رہے
اگرچہ وہ اپنے خون میں نہا کر سو گیا
لیکن قسم سے اسکا خون کبھی سو نہیں سکتا ۲۵ (امین پور، ۴۳۱، 1390)۔

اپنے شعری مجموعہ " تنفس صبح" میں آپ نے ایک نظم "این سبز سرخ کیست؟" (یہ سبز و سرخ کون ہے؟) رحمٰن عطوان کے لئے لکھی ہے اور اس میں آپ شہیدوں کی زندہ جاوید ہونے کا اشارہ کرتے ہیں:

یہ سبز و سرخ شہید کون ہے؟
یہ سبز و سرخ کیا چیز ہے جسے سینہ خاک میں چھپایا جارہا ہے؟
یہ عورت کون ہے؟
جس نے "خوانگریو" کی آہ و فغاں کو
بالکل بھلا دیا ہے
فخر سے جو اپنی گردن بلند کئے ہوئے ہے
تمام عورتوں میں جو نمایاں دکھ رہی ہے
اس سپاہی نے خورشید کی سخاوت کی طرح
اپنی ہر چیز لٹادی
سوائے اس سبز لباس کے
اس شہید کا زاد راہ صرف کلام خدا ہے
ایک لباس اور ایک کلام
سینہ پر تصویر امام خمینیؒ
جیسا کہ اس نے چاہا ہے
اسے اسی فوجی سبز لباس میں دفن کیا جائے
تاکہ وہ ہمیشہ سر سبز و شاداب رہ سکے
تاکہ وہ ہمیشہ زندہ رہ سکے
اسے
جب زمین میں دفنایا گیا
تو وہ سبز (سرخرو) بھی تھا اور سرخ بھی
اب وہ یار بے قرار
خدا کے حضور میں آسودہ خاطر ہے
اگرچہ خون میں رنگین وہ زمین پر گرا تھا
لیکن یہ اس کی حیات کا آغاز ہے[۲۷] (گذشتہ حوالہ: 380-381)۔
زہے نصیب جو بلند قامت درخت کی مانند کھڑا تھا

زہے نصیب جو پتوں کی طرح گرا بھی تو باحیات تھا
زہے نصیب پھول کی مانند اس کا خون میں نہانا
زہے نصیب نئے موسم میں اسکا پھر حیات نو لینا۲۸ (گذشتہ حوالہ : 359)

فارسی اشعار میں شہدا کی عظمت و بزرگی کے اظہار کی دیرینہ تاریخ رہی ہے اور قدیم زمانے سے ہی شاعر، شہادت کی ثقافت کو بڑھاوا دے رہے ہیں اور ایثار و قربانی کی روح کو سماج کے پیکر میں پھونک رہے ہیں۔۲۹ (خو محمدی خیر آبادی، 168–169، 1384)
امین پور ایک ممتاز انقلابی شاعر ہونے کی حیثیت سے انھوں نے اپنے زیادہ تر اشعار میں شہدا کی عظمت و بزرگی کو بیان کیا ہے اور انکے اشعار میں شہید و شہادت کے تصورات قابل قدر ہیں۔ آپ کی نگاہ میں شہید باعظمت ہے؛ آپ نے نظم "روح آفتاب" کو شہید شریعتی کے لئے لکھا آپ کا ماننا ہے کہ شہید کا مقام اور بزرگی و عظمت آفتاب و ماہتاب سے کم نہیں ہے:

اٹھو کہ روح آب خاک پر گر پڑا
اٹھو کہ شہسوار خون خاک پر گر پڑا
اس شہید کے غم میں آسمان بھی خون کے آنسو بہا رہا ہے
وہ آفتاب کی نظیر خاک پر گر پڑا۳۰ (امین پور، 1390، 420)۔

اسی طرح سے اپنی نظم "پیراھن تازہ" میں امین پور شہیدوں کے مقام و منزلت کو اس قدر عظیم بتلاتے ہیں کہ آپ کی نگاہ میں عارف و سالک شہید کی قامت کا اندازہ سورج سے لگانا چاہئے:

تمہاری روح نے حیات کا نیا لباس پہن لیا ہے
تمہارے خون سے وطن کا ہر ذرہ گلستاں ہو گیا ہے
تمہارے بدن کے پیراہن کا
قامت آفتاب سے اندازہ لینا چاہئے۔۳۱ (گذشتہ حوالہ : 440)۔

بہت سے انقلابی شاعر جب وطن کے جانباز بیٹوں کی شہادت کی خبر سنتے اور ہر روز سینکڑوں ہزاروں افراد کے ہاتھوں پر انکے جنازے کو دیکھتے تھے تو ان مناظر نے انکے اشعار پر بھی گہرا اثر چھوڑا۔

شہیدوں کے لئے سوگواری اور اشعار پڑھنا شعرائے دفاع مقدس ("ایران و عراق کے درمیان چلی 8 سال جنگ کے پورے دورانیہ کو دفاع مقدس کہا جاتا ہے) ۳۲ کے شاعرانہ احساس وجذبات کی علامت ہے۔ اس میں اور عام سوگ و تعزیتی جلسوں میں واضح فرق ہے۔ شہیدوں کی سوگواری میں فخر و عظمت کا پہلو پایا جاتا ہے جو کمال معنویت و روحانیت کی علامت ہے۔ دفاع مقدس کے شعری عناوین میں ایک عنوان شہیدوں کے لئے سوگواری و غم نگاری ہے جو کہ اس ادبی صنف میں ایک عام اور رائج بات ہے۔ ۳۳ (صیدی، ۱۵۲، 1389)۔ جنگی و حماسی اشعار میں "شہیدوں پر سوگواری" کے عنوان نے ادب کی اس صنف میں ایک نیا باب کھول دیا۔ امین پور اپنے

شعری مجموعہ " تنفس صبح" میں " غزل تصمیم " کے نام سے ایک نظم شہیدوں کی یاد اور انکے اہل خانہ کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چلو گل نرگس کے گھر چلیں
غم وفراق کی وجہ سے اپنے دل سے کچھ اور بات کریں
کسی گل بنفشہ کو دل کی گہرائیوں سے تعزیت پیش کریں
کسی کبوتر یعنی (شہید) کی مجلس سوگ وترحیم میں چلیں
کسی رات محبوب کی بام ودر سے دل لگالیں
ممکن ہے وہ دروازہ نہ کھولے، تو کیا چلو کواڑ ہی کھٹکھٹا آئیں
اس جسم نما قفس میں بہت رہ لئے آو
تھوڑا اوپر اٹھو چلو آسمان کی سیر کو چلیں۔ ۳۴(امین پور،1390،406)

چاہتا تھا
جنگ پر شعر کہوں
لیکن مجھ میں تاب نہیں
اب میرا قلم اور دل آپس میں ہم آہنگ نہیں
مجھے لگا
اب اپنے قلم کو زمین پر رکھنے کا وقت آگیا ہے
اب سخن کا سرد ہتھیار کارساز نہیں
میں نے دیکھا
ہمارے شہر کی دیواریں پھر سے شہیدوں کی تصویروں سے پر ہو گئی ہیں
لیکن میرے یہ ناکارہ بازو
کتنی سادگی وصبر کے ساتھ
حادثہ کے وقت لرزنے لگتے ہیں
اگرچہ ان شہیدوں کے
بدن زخمی اور کمر شکستہ ہیں
لیکن وہ فاتح وضیغم کی طرح کھڑے ہیں
نہ کوئی توقع نہ کوئی آرزو
ایسا کچھ کریں اپنی ماں بہنوں کی آوازوں سے

نہر نہر کی فریاد سے فضا گونج جائے۔
جب تک انکی نہر نہر کی فریاد باقی ہے
کچھ تیز اور دھار دار ہتھیار اٹھانا چاہئے
اب سخن کا سرد ہتھیار کارساز نہیں ہے۳۵ (گذشتہ حوالہ: 389)

آپ اپنی نظم "کچھ اشعار جنگ پر" میں شہیدوں کے بارے میں یوں رقم فرماتے ہیں:

یہاں کسی سربریدہ انسان کو
کسی دور دراز علاقہ سے لانا ہے
تاکہ اسے دفن کر سکیں
اس اندھیری رات سے
اس رات جب گرد و غبار میں
ایک مرد سڑک کے کنارے
جھکا ہوا تھا
اپنی سرخ و ہراساں آنکھوں سے
اپنے دوسرے ہاتھ کو تلاش کر رہا تھا
وہ لوگ
اگرچہ انکے زانو اور کمر شکستہ ہیں
لیکن وہ کسی فاتح کی طرح کھڑے ہیں
بغیر کسی آرزو و طلب کے
انکے کانوں میں صرف خمینی کے کلام کی گونج ہے
استقامت و ایثار کا فتویٰ
انکے کاندھوں پر انقلاب کا پرچم ہے۔۳۶ (گذشتہ حوالہ، ۱۳۸۸، 1390)

غور طلب بات یہ ہے کہ بعض نیمائی شعراء (ان شعراء کو کہا جاتا ہے جو سیمبلی روش کی پیروی کرتے ہیں) جیسے ان تین شاعروں نے بہت سے مفاہیم کو استعارہ اور کنایہ کی صورت میں بیان کیا ہے؛ مثال کے طور پر امین پور اور مشیری کے کلام میں گل نرگس، گل شقایق اور گل نیلوفر کو شہید اور راہ خدا میں قتل ہونے والے سے تعبیر کیا گیا ہے:

جب آگ اور خون، خورشید سے زیادہ سرخ ہو گئے
تو رشید جوانوں کے خون سے وہ شرمندہ ہو گیا

اور گلاب پژمردہ ہو کر ٹوٹ گیا جب اس نے دیکھا
کہ خون کے ہر قطرہ سے ہزاروں سورج طلوع ہو رہے ہیں۔ ۷۳ (مشیری 1390، ۸۷۰)

۳۔۲۔ بزرگان دین کی یاد میں تعزیتی نظمیں

موضوع کے لحاظ سے محبت و عقیدت بھری شاعری صرف خاندان عصمت و طہارت سے مخصوص نہیں ہے اس صنف کی شاعری کے لئے اگر موضوعات معین کئے جائیں تو سب سے اہم عناوین یہ شمار ہونگے: پیغمبرؐ کی شان میں اشعار، امام علیؑ کی شان میں اشعار، جناب فاطمہ (س) کی شان میں اشعار، عاشورا کی عظمت پر اشعار، امام رضا اور امام زمانہؑ کی شان میں اشعار۔

اہل بیت علیہم السلام کے سوگ اور غم میں کہے گئے اشعار میں اس دور کے حادثات اور ان مظلوم شہداء خاص طور سے امام حسین علیہ السلام پر پڑی مصیبتوں کی واضح تصویر ملتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ ایک تاریخی، سیاسی روایت (ڈکومنٹری) ہے جو بہت سے شیعہ معارف کے ہمراہ ایک جذباتی اور تخیلاتی اظہار کے ساتھ، اماموں کے نظریات اور امام حسین علیہ السلام کے خونی انقلاب کی پیغامبر ہیں لوگوں کو دعوت دینے والی ہیں کہ ان بزرگوں کی راہ اور مشن کو جاری و ساری رکھیں۔ اگرچہ اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پر کی گئی شاعری میں حسرت و اندوہ دوسری تعزیتی نظموں کے برعکس شاعروں کے اندرونی عقائد پر مبنی سمجھی جاتی ہے۔ (محمد رضائی، 1389، ۱۴۱ ۳)۔ لیکن اس معیار و پیمانہ کو شاعروں کے عقائد کی جانچ کے لیے مناسب اور واضح معیار نہیں سمجھا جا سکتا۔ بہر حال، عظیم اور اساتید شعراء جیسے رودکی، شہید بلخی، فرخی سیستانی، فردوسی طوسی، نظامی گنجوی، خاقانی، کمال الدین اسماعیل اصفہانی، مسعود سعد سلمان، سعدی، حافظ اور جامی وغیرہ کے بہت سے خوبصورت اور ناقابل توصیف کلام دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس درمیان مذہبی تعزیتی شاعری قومی و شخصی تعزیتی شاعری سے کہیں زیادہ ہے۔ امین پور کے اشعار کا تعلق اسی صنف سے ہے۔ امام رضا علیہ السلام کی شہادت پر اپنی نظم "کوچہ ھای خراسان" (خراسان کی گلیاں) میں اپنے غم و حزن کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

ابلتے چشمہ تجھے پہچانتے ہیں
سمندر کی موجیں تجھے پہچانتی ہیں
نیشاپور میں "لا" کی موج پر سوار ہو کر (مراد یہ ہے کہ نیشاپور میں امام عالی مقام نے حدیثِ "کلمۃ لا الہ حصنی" کو ہزاروں کی بھیڑ میں ارشاد فرمایا تھا)
اے وہ جسے طوفان کی موجیں پہچانتی ہیں
اب اے نیک سیر انساں
غربت کا موسم جا چکا ہے

کیوں کہ تمام غرباء تمہیں پہچانتے ہیں
کاش میں بھی تجھے سفر کرتے ہوئے دیکھ پاتا
خراسان کی گلیاں تجھے پہچانتی ہیں۔۳۸ (امین پور،۴۰۸، 1390)۔

عصری شاعری میں شاعر کا حزن واندوہ ظاہری و بے مقصد حزن واندوہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک خاص فکر و مقصد کے تحت شاعری کرتا ہے اور مصیبت کے ذکر میں صرف اس کے جذبات و احساسات کا بیان نہیں ہوتا ہے۔ امام علی علیہ السلام ان مذہبی شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے گذشتہ و حال کے شاعروں کے ذہن و فکر کو مشغول کر رکھا ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی اور ایثار و عدالت و جہاد جیسے مفاہیم کے رائج ہونے کے بعد انقلابی شعراء نے بھی اپنی توانائی کے مطابق کوشش کی کہ ان مفاہیم کی تشریح و تفسیر رثائی امور موثر شعری زبان میں معصومین علیہم السلام کی زندگی سے وابستہ کرکے بیان کریں۔ عصری شاعری میں امام علی علیہ السلام کی ذات بابرکت وہ ہے جنھیں عدل و انصاف، حق و حقیقت، بخشش، زہد و تقویٰ، مہربانی و مدارا اور تمام انسانی صفات و خصوصیات کا مرکز و محور سمجھا جانے لگا اور ہم عصر شعراء نے بھی اپنے اشعار میں مختلف زاویوں سے ان کو قلمبند کیا ہے۔

امین پور نے اپنی نظم "کوفہ کی گلیاں" میں نہ صرف اپنے وجود بلکہ تمام کائنات کو امام علیہ السلام کے غم میں سوگوار جانا ہے اور آخری بیت میں "آفتاب و سایہ" کو نہایت خوبصورتی سے ایک دوسرے کے ساتھ استعمال کیا ہے ایک روشنائی، زندگی اور بخشش کا سمبل ہے وہیں دوسرا تاریکی، خوف اور جہل و گمراہی کا:

چاند کے جاتے ہی یہ جزر و مد کیا ہے؟
یہ درد کا کون سمندر ہے جو کنویں میں جارہا ہے؟
یہ کیا ہے کہ آسمان مدارِ نحس پر گھوم رہا ہے
ڈر ہے کہ چاند گہن میں چلا جائے
لگ رہا ہے کہ ایک عظیم مصیبت پڑنے والی ہے
نسیم سحر کے وقت مضطرب و پریشاں حال دکھ رہا ہے
کیا آج کی رات چاند آسمان سے زمین پر گر پڑا ہے
یا سورج زمین پر چل رہا ہے؟
کوفہ کی گلیوں میں کس کے گزرنے کی آواز آرہی ہے؟
گویا وہ اپنی دلی مراد کو حاصل کرنے جارہا ہے
آفتاب کے سر کو وہ شگافتہ کر رہا ہے
وہ سایہ جو رات کے اندھیرے میں چل رہا ہے۔۳۹ (گذشتہ حوالہ : 345)۔

اسی طرح سے امام علی علیہ السلام کی شان میں "ہنگامہ" نامی نظم میں آپ کی ذات بالا صفات کے بارے میں شاعر اس طرح بیان کرتا ہے:

اسکا مذہب وایمان وامان تھی نماز
اسکے معراج کی سواری تھی نماز
اور جب جنگ وپیکار کا وقت آپہنچا
بوسہ کی طرح اسکے دو لبوں پر تھی نماز۔ (گذشتہ حوالہ: 417)۔

۳۔ موت، شعرا کی نگاہ میں

بعض ہم عصر شعرا کے کلام میں موت جدید شاعری کی خصوصیات پر مبنی واضح، رسا اور زمینی حقیقت پر مبنی ہے۔ امین پور کی سیاسی وانقلابی نظمیں واضح طور پر لوگوں کے مقاصد کے ساتھ انکی وابستگی کی بخوبی عکاسی کرتی ہیں۔ آپ کے ترانے اور نظمیں ہستی، موت، زندگی، شہید، شہادت اور مرنے کے بعد والی زندگی جیسے مفاہیم سے بھری پڑی ہیں:

ا۔۳۔ موت کی طلب کا نظریہ

بہت سے فارسی زبان کے شعراء نے موت کو قفس دنیا سے رہائی کے عنوان سے دیکھا ہے جو خود رنج وعذاب کا سبب ہے، انکی نگاہ میں موت ابدی چین وسکون کا ذریعہ ہے۔ انھوں نے دنیا کو اسکی تمام لذتوں اور خوشیوں کے ساتھ چھوڑ دیا ہے اور لحظہ بہ لحظہ اپنے پروردگار سے ملاقات کو تڑپ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے موت انکے نزدیک منفور ومذموم چیز نہیں ہے بلکہ خود زندگی ہے چونکہ موت کے ذریعہ وہ جوار الٰہی میں ابدی حیات سے ہمکنار ہونگے۔ اسلامی عرفاء وایرانی صوفیوں کے نزدیک اس نظریہ کے بہت سے پیروکار بھی ہیں۔ یہ افراد موت کا استقبال کرنے موت کے وقت کی سختی اور ہراس کو کم کرتے ہیں، موت سے انکا عشق اور لگاؤ آیتوں اور حدیثوں کی بنیاد پر ہے۔ وہ آیتیں جو بہترین انداز میں جنت اور حضرت حق کے جوار میں انسان کے انجام کی منظر کشی کرتی ہیں۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے موت اس دنیا کے رنج وغم کے خاتمہ اور ابدی حیات حاصل کرنے کا راستہ ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: "ان للمتقين مفازا حدائق و اعنابا و كواعب اترابا و كاسا دهاقا" ۴۰ (نبا، آیت ۳۱۔ ۳۴)۔ شہید مرتضی مطہری اپنی کتاب "مقدمہ ای بر جھان اسلامی" (اسلامی جہان پر دیباچہ) میں "جاوید زندگی یا اخروی حیات" کے عنوان سے ایک مفصل تحقیق پیش کرتے ہیں اور قرآنی آیتوں اور دینی تعلیمات کی روشنی میں موت کے رابطہ کو بیان فرماتے ہیں۔ ۴۱ (مطہری، بی تا: ص ۴۹ کے بعد)۔ اسی طرح سے آپ اپنی کتاب "عدل الٰہی" میں موت سے فرار کی وجہ ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش کو جانتے ہیں۔ اور انسان کے اندر اسی

خواہش کا ہونا موت کے بعد حیات کی روشن دلیل ہے۔ (مطہری، ۱۳۷۳، ۱۷۷، فلاح سے منقول، ۲۳۴، ۱۳۸۷)۔ ۴۲۔ مولانا روم کا عقیدہ یہ ہے کہ موت اس آئینہ کی طرح ہے جو اچھا اور برا منظر انسان کو دکھاتی ہے۔ انسان کو موت سے خوف اسکے برے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے۔

موت ایک آئینہ ہے اور تمہارا حسن اس آئینہ میں ظاہر ہوگا
یہ دیکھ کر انسان کہہ اٹھے گا کہ کیا خوب ہے مرنا
اگر تم مومن ہو تو موت بھی تمہارے ساتھ ایمانی برتاؤ کرے گی
لیکن اگر کافر ہو تو موت بھی تمہارے لئے کافر ہوگی۔
اگر یوسف ہو اور نیک ہو تو تمہارا آئینہ بھی ایسا ہی ہوگا
ورنہ اس آئینہ میں بھی تمہارا منظر خوفناک وڈراونا ہوگا۔ ۴۳۔ (مولانا روم، ج ۴، غزل نمبر ۲۰۳۷۴، ۱۳۶۳)۔

ابن سینا نے حکماء کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رضاکارانہ موت کو "موت سے پہلے موت" کہا جاتا ہے "دفع غم الموت" نامی رسالہ میں اس طرح بیان ہوا ہے: "حکماء کا ماننا ہے کہ موت دو طرح کی ہے ارادی واختیاری موت اور طبیعی موت، اسی طرح سے حیات دو طرح کی ہے، ارادی و اختیاری حیات اور طبیعی حیات" ۴۴۔ (پور نامداریان، ۲۸۲، ۱۳۸۶)۔

قیصر امین پور کے اشعار میں ارادی واختیاری موت کی ایک الگ ہی تصویر دیکھنے کو ملتی ہے آپ کے فکر وخیال کا ایک عظیم حصہ اختیاری موت سے مخصوص ہے۔ عرفاء کی زبان میں جسے فناء وبقاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امین پور اپنی نظم "تو می توانی" (تم کر سکتے ہو) میں ایک پرسکون وآرام دہ زندگی، اختیاری طور پر موت کو قبول کئے بغیر اور اسی طرح دنیاوی امور سے تعلقات توڑے بغیر ممکن نہیں ہے، ایسی موت ایک عظیم سعادت ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔

میں
نجانے کتنے سال سے مرا ہوں
تاکہ ایک لمحہ زندگی بسر کر سکوں
تم
ایک ذرہ
ایک مثقال
میری طرح مر سکتے ہو؟ ۴۵۔ (امین پور، ۲۹، ۱۳۹۰)۔

آپ کے نزدیک موت فنا سے بڑھ کر اصل بقاء ہے جو محضر پروردگار میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ آپ اپنی نظم "نہ گندم نہ سیب" میں ابدی وجاوید موت وحیات کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

نہ گندم نہ سیب

آدم تمہارے نام سے دھوکہ کھا گیا
تمہارے بے شمار شہیدوں کے نام
ہابیل پہلا نام تھا
کیا تمہیں یاد نہیں ہے
ہابیل
میرا ہی دوسرا نام تھا
تمہارا نام نور
تمہارا نام قسم
تمہارا نام جذبہ
تمہارا نام مسکراہٹ
تمہارے ناموں میں
تمہارے ناموں کو دہرانا
ضروری ہے
مرنے کے لئے ایک نام
تاابد جینے کے لئے ایک نام
ایک نام جو مجھے بتاسکے کہ کیوں
کبھی کبھی آنسو بہانا چاہئے۔۴۶ (گذشتہ حوالہ : ۲۶۹)۔

قیصر امین پور کے علاوہ ہم عصر فارسی ادب میں خاص طور پر زمانہ مشروطیت کے بعد بہت سے شاعروں کا نام لیا جاسکتا ہے جنھوں نے انقلاب اور استقامت کے موضوع پر شعر کہا اور اس میں موت کی تعریف کی۔ان میں اور صوفی شعرا میں فرق یہ تھا کہ زمانہ مشروطیت کے بعد استقامت اور سیاسی اشعار میں شاعر موت کو دینی سماجی یا دینی سیاسی مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ جانتا ہے۔

فریدون مشیری اپنی کتاب "آواز آن پرندہ۔۔۔" (اس پرندے کی آواز) میں "جور دوست" کے نام سے ایک نظم لکھتے ہیں جس میں موت کو ایک وحشتناک اور پلید اژدہے سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اسکے بعد آپ اشارہ کرتے ہیں کہ اگرچہ موت سات سروں والے اژدہے کی طرح خوفناک ہے لیکن محبوب کا ظلم موت اور اژدہے سے بھی زیادہ سخت اور وحشتناک ہے:

موت یعنی
اس دنیا سے چلے جانا

کہیں دور
ہستی سے دور
بہت دور
موت یعنی
برا، سیاہ خوفناک
موت یعنی
نہ آفتاب نہ مہتاب
موت یعنی
نہ مے نہ دوست نہ ساغر
ایک لفظ میں
موت یعنی موت
جتنا بھی اس دشمن کے ظلم کو بیان کروگے
میرے دل میں ذرہ برابر بھی خوف وہراس نہیں آئے گا
موت اگر سات سروں والا اژدہا ہے
میرے نزدیک دوست کا طعنہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے ۷۴ (مشیری، ۱۴۰۲ھ، ۱۳۹۰)۔

قیصر امین پور کی طرح سہراب سپہری بھی موت کی مدح وستائش اور اسکا استقبال کرتے ہیں:

موت سے نہ ڈرو
موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے
موت کوئی زنجیر نہیں ہے
موت اقاقی[1] کے ذہن میں جاری ہے
موت اگر سہانے موسم میں آئے تو اسکا استقبال گرمجوشی سے کیا جائے
موت رات کی تاریکی میں امید کی پہلی پو ہے
موت انگور کے دانہ کی طرح ایک ایک کرکے انسان کے وجود کا حصہ بن رہی ہے
موت اس نغمہ کی طرح ہے جسے انسان ہر نفس کے ساتھ گنگناتا ہے
موت ہی ہے جو احساس دلاتی ہے کہ مرنے سے پہلے پروانہ کا خوبصورت پر تھا

1۔ اقاقی ایک درخت ہے جو شمال امریکہ میں پایا جاتا ہے اور کافی طولانی ہوتا ہے بعض لوگوں کا ماننا ہے کہ اس کی لمبائی ۲۵ میٹر تک پہنچ سکتی ہے۔ (واژہ نامہ آقازا" اقاقی")

موت کبھی پھولوں کو جمع کرنے کی طرح ہے
تو کبھی کسی سایہ کی طرح جو ہماری تاک میں ہے۔ (سپہری، ۲۹۶،۱۳۸۰)
مصدق بھی اپنی کتاب "از جدائی ھا" (جدائیوں سے) کی ۲۲ویں نمبر کی نظم میں بیان کرتے ہیں کہ ہم عصر شعراء کی نگاہ میں موت ہر گز سیاہ نہیں ہے کبھی کبھی وہ لوگ جو زندگی سے تھک چکے ہیں اور جنکی زندگی خالی ہے انکے لئے نجات وسکون کا ذریعہ ہے۔
ایک بے چینی ہے
میرے ساتھ
ہمیشہ ایک خوف ہے
کہیں نیکیاں زمانہ سے اٹھ نہ جائیں
سچائی اور حقیقت کا سورج مشرق سے فرار نہ ہو جائے
ہمیشہ میں کہتا ہوں
مرنا کتنا آسان ہے
کتنا آسان
اس زمانہ میں کہ جب
نیکیاں مغلوب ہو چکی ہیں
مرنا کیا خوب ہے۔۴۸ (مصدق، ۳۲۶،۱۳۸۹)۔

۲۔۳۔ موت سے فرار کا نظریہ

فارسی ادب میں، اگر ہم رودکی کو چھوڑ دیں کہ جن کی نظموں میں موت سے فرار کے دھندلے نشانات ملتے ہیں، تو پانچویں صدی میں منوچہری دامغانی نے اپنی نظموں میں اس نظریے کو بالواسطہ طور پر فروغ دیا۔ لیکن فارسی شاعری اور ایرانی مفکرین میں اس نظریہ کا مکمل نمائندہ بلاشبہ خیام نیشاپوری ہے۔ خیام موت، دوسری دنیا اور قیامت کے بارے میں مایوسی کا سب سے بڑا نمائندہ ہے۔ معاصر شعراء میں خیام کے فکر و خیال سے مطابقت رکھنے والے شاعر میں فریدون توللی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ توللی کے تمام مجموعے میں "رہا" وہ مجموعہ ہے جس میں غم، ناامیدی، تیرگی، برائی، نامرادی اور موت سے وحشت و خوف کی مثالیں بکثرت دیکھنے کو ملتی ہیں اور ایک ایسے شاعر کی داستان غم ہے جو عشق و محبت سے متنفر ہے۔۴۹ (زرین کوب، ۹۱،۱۳۵۸)۔
پوری زندگی جس چیز کی آرزو کرتا رہا
اسے حاصل نہ کر سکا اور موت کا سایہ نظر آنے لگا
زندگی کا تابوت آخری مرحلوں میں ہے

میں موت کا طلبگار ہوں
زندگی کس چیز میں گزار دی
اور آخرش کیا نصیب ہوا۔۵۰ (توللی، ۱۶۵، ۱۳۳۳)۔
قیصر امین پور کے بعض اشعار میں موت سے نفرت و بیزاری کا احساس بھی دیکھنے کو ملتا ہے "وداع" نامی نظم میں آپ موت کے تعجب آور اور اسکے کریہہ المنظر ہونے کی جانب اشارہ کرتے ہیں:
جدائی اور احباب کو چھوڑنے کا اعلان کر دیا
گویا کسی تعجب آور سے کوئی کام ہے
اپنے کاندھوں پر اپنی جان کسی سنگین بوجھ کی طرح لئے ہوئے ہے
بیتاب ہے کہ آج موت سے ملنے کا وعدہ ہے۔۵۱ (امین پور، ۱۳۹۰، ۴۲۳)۔

نتیجہ

معاصر شاعروں کی تعزیتی نظموں اور شاعری کا ایک بڑا حصہ اہل خانہ اور احباب کے سوگ و غم سے بھی متعلق ہے۔ جیسا کہ مصدق اپنے مجموعہ "جدائیوں سے" میں اکسویں نمبر کی نظم اپنی بیوی لالہ خشکنابی کے فراق اور "عقل و خرد کی مقدس بارگاہ، بارگاہ توس تک" کو فردوسی کی شان میں لکھتے ہیں اسی طرح سے شطرنج کے استاد جناب حسین زعفرانیان کی موت پر بھی نظم لکھتے ہیں۔

فریدون مشیری بھی اپنی کتاب "خاموشی سے" میں نظم "ہفتخوان" یعنی سات منزل کو پہلوان تختی کی یاد میں لکھتے ہیں اسی طرح سے نظم "از دور دست خواب رہایی" (دور کہیں آزادی کا خواب) کو اپنے والد اور ایک نظم اپنے دو بھائی منوچہر اور منصور کے سوگ میں لکھتے ہیں۔

کچھ مرثیہ انقلابی شخصیتوں اور شہداء کے بارے میں لکھے گئے ہیں؛ اہل بیت علیہم السلام کی شان میں لکھے گئے مرثیے، تعزیتی نظمیں اور سلام خاص طور سے امام حسین علیہ السلام پر پڑی مصیبتوں کو بیان کرتے ہیں۔ شعرائے اہل بیت علیہم السلام کے مرثیوں میں رنج و غم کا پہلو شاعر کی ان ہستیوں سے محبت اور اظہار عقیدہ و عقیدت کا بیان ہیں۔ اسکی مثالیں امین پور کے اشعار میں بخوبی دیکھنے کو ملتی ہیں جیسے کربلا کے بچے، کوفہ کی گلیاں اور امام رضا علیہ السلام۔
انہوں نے اپنی تمام نظموں میں قربانی اور شہادت کے تصورات کو شاندار اور خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔
معاصر شعراء حضرات کے اشعار میں زیادہ تر ہمیں موت کی خوبیاں اور دنیا اور اس کے مصائب سے فرار کے مضامین دیکھنے کو ملتے ہیں۔

منابع:

قرآن کریم

انسانی، علی (1382) **چراغ صاعقه** . مقدہ علی موسوی گرمارودی. تهران: جمهوری.

ابن خردادبه، (1351) **المسالک والممالک** . تهران: بنگاه ترجمه و نشر کتاب.

امین پور، قیصر (1390) **مجموعه کامل اشعار** . تهران: مروارید.

پورالخاص، شکراالله و سمیه مشائخ (1392) "جلوه های شهید و شهادت در شعر دفاع مقدس" **مقالات دومین همایش ادب مقاومت پارسی دانشگاه همدان.**

تفضّلی، احمد (بی تا) . » شعری در رثای مرزکو.» **راهنمای کتاب**، سال دهم، ش 6، ص 577۔

توللی، فریدون (1333) **رہا**، تهران، امیر کبیر.

جلالی پندری، یدالله؛ کهدویی، محمد کاظم؛ میر حسینی، مژگان (1382) ".برری عنصر حسرت در اندوه یادهای شاعران معاصر" **ادب غنایی**، ش، 14 ص، ۵۔۲۶۔

خو محمدی خیر آبادی، سعید (1384) ''جلوه هایی از فرهنگ ایثار و شهادت در شعر انقلاب اسلامی'' **نامۂ پایداری (مقالات اولین کنگرۂ ادبیات پایداری کرمان)۔**

دہخدا، علی اکبر (1343) **لغت نامه**، تهران، مؤسسه دہخدا۔

رستگار فسائی، منصور (132)، **انواع شعر فارسی**، شیراز نوید۔

زرین کوب، حمید (1358) **چشم انداز شعر نو فارسی**، تهران، انتشارات فکر روز۔

زنگنه، داریوش (1389) "جستاری در سوگ سروده های خاقانی شروانی ." **عرفانیات در ادب فارسی**، ش3، ص111-129۔

سپهری، سهراب (1380)، **هشت کتاب**، تهران، طهوری۔

صیدی، عباس (1389)، **مغازله در خون**، ایلام، برگ آذین۔

فلاح، مرتضی (1387)، "سه نگاه به مرگ در ادبیات فارسی" **پژوهش زبان وادبیات فارسی**، گیارہواں شمارہ، ص223-254۔

محسنی نیا، ناصر و آرزو پور یزدان پناہ کرمانی، (بی تا)، "مرثیه سرایی در ادب فارسی و عربی " **ادبیات تطبیقی**، ش۸، ص175—193۔

محمد رضایی، علی رضا؛ کیا، مریم (1389)، "جستاری بر مرثیه های شریف رضی و محتشم کاشانی"، **ادبیات تطبیقی**، ش3، ص329-355۔

مشیری، فریدون (1390)، بازتاب نفس صبح دمان، مجموعه اشعار فریدون مشیری، تهران،

چشمہ.
مصدق، حمید (1389)، **مجموعہ اشعار**، تہران، نگاہ ۔
مطہری، مرتضی (1376)، قیام وانقلاب مہدی (عج) از دیدگاہ فلسفہ تاریخ و مقالہ شہید،
تہران، صدرا۔

❖